استغفار کی حقیقت اور اہمیت

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۲۹/اپریل ۱۹۸۸ء بمقام بیت الفضل لندن)

تشہد وتعوذ اور سورۃ فاتحہ کے بعد حضور نے درج ذیل آیات تلاوت کیں:

اَلَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اِنَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْلَنَا ذُنُوْبَنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝ اَلصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْمُنْفِقِيْنَ وَالْمُسْتَغْفِرِيْنَ بِالْاَسْحَارِ ۝ (آل عمران: ۱۷-۱۸)

پھر فرمایا:

یہ دو آیات جو میں نے آج پڑھی ہیں ان کا ترجمہ یہ ہے کہ وہ لوگ جو یہ عرض کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہم ایمان لے آئے پس تو ہمارے گناہ بخش اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچا۔ تو ہمیں آگ کے عذاب سے بچا۔ یہ کون لوگ ہیں اَلصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْمُنْفِقِيْنَ یہ وہ لوگ ہیں جو صبر کرنے والے ہیں اور سچے لوگ ہیں، وَالصّٰدِقِيْنَ ہیں وَالْقٰنِتِيْنَ اور عجز کرنے والے ہیں، عجز کے ساتھ خدا کے حضور مناجات کرنے والے ہیں وَالْمُنْفِقِيْنَ اور خدا کی راہ میں اپنی طاقتیں اور اپنے رزق خرچ کرنے والے ہیں وَالْمُسْتَغْفِرِيْنَ بِالْاَسْحَارِ اور خدا سے بخشش طلب کرنے والے ہیں صبح کے وقت۔

ان آیات کریمہ میں بہت سے مضامین بیان ہوئے ہیں جن میں سے خصوصیت کے ساتھ میں دوسری آیت میں بیان کردہ صفات سے متعلق ابتداء میں کچھ کہوں گا اس کے بعد اس استغفار سے

متعلق کچھ مزید باتیں آپ کے سامنے بیان کروں گا۔

صبر اور صداقت اور قنوت اور انفاق فی سبیل اللہ یہ چار صفات ہیں جو مومن کی بیان فرمائی گئی ہیں اس کے بعد فرمایا وَالْمُسْتَغْفِرِيْنَ بِالْاَسْحَارِ اور یہ وہ لوگ ہیں جو صبح کے وقت خدا سے بخشش طلب کرتے ہیں۔

سب سے پہلے تو میں صبح سے متعلق یہ کہنا چاہتا ہوں کہ بخشش کے لیے، بخشش طلب کرنے کے لیے صبح کا ہونا تو ضروری نہیں ہے۔قرآن کریم سے تو یہ پتا چلتا ہے کہ ہر وقت استغفار کرنی چاہئے صبح بھی شام کو بھی دن کو بھی، رات کو بھی اور خصوصیت کے ساتھ راتوں کو اٹھ کر استغفار کرنے کا تو بہت ذکر احادیث میں ملتا ہے۔حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ کی عبادات کا استغفار سے بہت گہرا تعلق تھا اور بعض دفعہ صحابہ نے تعجب سے پوچھا بھی کہ یا رسول اللہؐ! آپ کیوں راتوں کو ایسی کڑی عبادت کرتے ہیں اللہ سے استغفار کرتے ہیں کیا خدا نے آپ کے سارے گناہ بخش نہیں دیئے آپ نے فرمایا کہ ہاں لیکن کیا میں عبد شکور نہ بنوں کیا میں خدا کا شکر کرنے والا بندہ نہ بنوں (بخاری کتاب التفسیر حدیث نمبر:۴۴۶۰) اور اس شکر میں استغفار بھی داخل تھا۔ یہ تعجب کی بات ہے کہ استغفار کا جو معنی حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ پر کھولا گیا اس کا شکر سے بھی گہرا تعلق ہے۔اس مضمون سے متعلق میں مزید بعد میں کچھ کہوں گا۔سر دست یہ بتانا چاہتا ہوں کہ یہاں بِالْاَسْحَارِ میں ایک بہت ہی لطیف نکتہ پوشیدہ ہے جس کو ہمیں پیش نظر رکھنا چاہئے۔انسان جس قسم کے خیالات کے ساتھ رات بسر کرتا ہے صبح اٹھ کر سب سے پہلے وہی خیال اس کے ذہن میں اجاگر ہوتا ہے۔چنانچہ آپ اگر پریشانیوں کی حالت میں رات بسر کریں، پریشانیوں کو سوچتے ہوئے تو آنکھ کھلتے ہی پہلے اسی پریشانی کی طرف ذہن منتقل ہو جاتا ہے۔آپ کسی دوست کے متعلق سوچتے ہوئے رات بسر کریں تو صبح جب آنکھ کھلتی ہے تو پہلے اس دوست کا خیال آتا ہے۔کسی خاص سفر کے پیش نظر آپ کے ذہن پہ بوجھ ہو کوئی خاص اور کام ایسا ہو جو غالب آ گیا ہو ذہن پر تو صبح اٹھتے ہی پہلے ان باتوں کا خیال آتا ہے۔تو بِالْاَسْحَارِ کے متعلق یہاں بھی فرمایا اور ایک اور جگہ بھی۔ بِالْاَسْحَارِ کے ساتھ استغفار کو لگا کر یہ بیان فرمایا گیا ہے کہ خدا کے مومن بندے صرف جاگتے ہوئے ہی استغفار نہیں کرتے بلکہ سوتے میں بھی استغفار کرتے ہیں اور نیند کی حالت میں بھی ان کے لاشعور میں ہر وقت استغفار کا مضمون گھومتا رہتا ہے۔اس لیے جب آنکھ

کھلتی ہے تو سب سے پہلے استغفار کا تصور ذہن میں ابھرتا ہے اور وہ استغفار شروع کر دیتے ہیں۔ پس یہاں اس اسحار سے یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اللہ کے بندے صبح تو استغفار کرتے ہیں اور باقی سارا وقت دوسرے کاموں میں مشغول رہتے ہیں یا یوں سمجھیں کہ باقی سارا وقت تو گناہ کرتے رہے اور صبح استغفار کر لیا۔

اب رہا یہ مضمون کہ اَلصّٰبِرِیْنَ وَالصّٰدِقِیْنَ وَالْقٰنِتِیْنَ وَالْمُنْفِقِیْنَ کا ذکر پہلے کیوں فرمایا گیا۔ استغفار کا تعلق انسانی عمل کی ایک کوشش سے ہے اگر انسانی عمل کی کوشش ساتھ شامل نہ ہو تو استغفار بے معنی اور بے حقیقت ہو جاتا ہے۔ اس لیے جو یہ کہتے ہیں کہ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا کہ اے ہمارے رب ہم ایمان لے آئے ہیں اس لیے ہمارے گناہ بخش دے وہ صرف زبان سے یہ نہیں کہتے بلکہ ان کے اعمال یہ ثابت کرتے ہیں کہ ان کی گہری توجہ گناہ بخشوانے کی طرف ہے اور وہ اپنی کمزوریاں دور کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ چنانچہ وہ صفات حسنہ جن کا استغفار سے گہرا تعلق ہے جو استغفار کی دعا کو حقیقت بخشتی ہیں، اس کو جسم عطا کرتی ہیں، ٹھوس بنا دیتی ہیں۔ ٹھوس ان معنوں میں کہ اس کو تصور سے وجود کی دنیا میں اتار دیتی ہیں وہ صفات حسنہ یہ ہیں کہ صبر کرنے والے ہیں اور صبر کے معنی یہاں غموں پر اور دکھوں پر صبر نہیں وہ بھی ہوگا لیکن اس موقع پر خصوصیت سے یہاں صبر کے معنی برائیوں سے بچنا ہے۔ چنانچہ یہ تفسیر خود حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ ہی کی تفسیر ہے کہ صبر کا ایک معنی اور بہت اہم معنی برائی سے بچنا ہے۔ جس حالت پر انسان ہے اس حالت پر قناعت کر جائے تو یہاں صبر اور قناعت کے مضمون ایک دوسرے کے ساتھ مل جاتے ہیں لَا تَمُدَّنَّ عَیْنَیْكَ اِلٰی مَا مَتَّعْنَا بِهٖۤ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ (الحجر:۸۹) والا مضمون اس میں داخل ہو جاتا ہے کہ جو چیزیں تمہیں میسر نہیں ہیں انہیں فاؤل کھیل کر قانون شکنی کر کے حاصل کرنے کی کوشش نہ کرو اور جو کچھ ہے اس پر صبر کر کے بیٹھ جاؤ یہ صبر کا مضمون اس موقع پر زیادہ چسپاں ہوتا ہے اور زیادہ برمحل ہے۔ اس لیے یہاں اَلصّٰبِرِیْنَ کے معنی خصوصیت سے یہ لینے ہوں گے کہ وہ لوگ جو نیکیوں پر قائم ہو جاتے ہیں اور گناہوں سے بچنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں اور جو کچھ ان کو میسر ہے خدا تعالیٰ کے فضل میں سے اس پر صبر کر کے بیٹھے رہتے ہیں۔

وَالصّٰدِقِيْنَ اور وہ سچے لوگ ہیں۔ سچائی کا ہر نیکی سے ایک گہرا تعلق ہے لیکن استغفار کے ساتھ بھی اس کا ایک خاص تعلق ہے اس لیے یہاں الصّٰدِقِيْنَ کے دوسرے معنوں کے علاوہ خصوصیت کے ساتھ ایک معنی چسپاں ہوں گے۔ وہ شخص جو سچا ہو وہ اپنی کمزوریوں کے معاملے میں بھی سچائی کی راہ اختیار کرتا ہے اور اسی کو حقیقت میں اپنے گناہوں کے اعتراف کی توفیق ملتی ہے اگر ایک انسان جھوٹا ہو تو وہ اپنے گناہوں کے اعتراف کی توفیق ہی نہیں پاتا اور استغفار کے لیے ضروری ہے کہ استغفار سے قبل انسان اعتراف گناہ کرنے کی طاقت رکھتا ہو اور اعتراف گناہ کرنے کی توفیق پاتا ہو۔ پس یہاں صادق سے مراد خصوصیت کے ساتھ میں یہ سمجھتا ہوں کہ وہ لوگ جو اپنی کمزوریوں سے باخبر رہتے ہیں اور اتنی ان کے اندر سچائی پائی جاتی ہے کہ وہ اپنی کمزوریوں پر خود پردہ نہیں ڈالتے جب خدا کے حضور کھڑے ہوتے ہیں تو خوب کھول کر اپنی کمزوریاں اس کے حضور پیش کرتے ہیں اور اپنی کمزوریوں کے معاملے میں کامل سچائی سے کام لیتے ہیں۔ اس مضمون کو آپ اچھی طرح سمجھ جائیں تو معلوم ہوگا کہ بہت سے استغفار کرنے والے جو استغفار کے جواب سے محروم رہ جاتے ہیں اس کی کیا وجہ ہے۔ اس سلسلے میں میں دوبارہ پھر اس مضمون کو اٹھاؤں گا کچھ آگے چل کر کیونکہ بہت ہی اہمیت رکھنے والا مضمون ہے۔

وَالْقٰنِتِيْنَ آپ جب وتر کی تیسری رکعت میں دعائے قنوت پڑھتے ہیں تو دعائے قنوت کہنا ایک قسم کا ایک ہی مضمون کو دو دفعہ بیان کرنے والی بات ہے۔ قنوت کے معنوں میں دعا اور عاجزانہ دعا شامل ہے۔ اس لیے جب ہم کہتے ہیں وَالْقٰنِتِيْنَ تو مراد یہ ہے کہ ان کے اندر بہت ہی عجز پایا جاتا ہے اور الصّٰدِقِيْنَ کے مضمون کو جس طرح میں نے بیان کیا ہے جب اس قنوت کے ساتھ ملا کر پڑھیں تو اس وقت یہ مضمون اور زیادہ واضح ہو جاتا ہے۔ یہ لوگ جب اپنے گناہوں پر غور کرتے ہیں اور پوری صداقت کے ساتھ ان کو محسوس کرتے ہیں تو سارے تکبر ختم ہو جاتے ہیں۔ خدا کے حضور پھر وہ بچھ جاتے ہیں۔ اس طرح کھڑے ہوتے ہیں کہ کھڑے ہوتے ہوئے بھی قیام کی حالت میں بھی ان کی روح ایک سجدے کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے اور وہ گر جاتے ہیں خدا کے سامنے کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ وہ گناہ گار ہیں اور گناہ گاری کا احساس صداقت سے ملتا ہے اور اس احساس کے نتیجے میں وہ عجز پیدا ہوتا ہے جو سچا استغفار پیدا کرتا ہے۔

وَالْمُنْفِقِيْنَ وَالْمُسْتَغْفِرِيْنَ بِالْاَسْحَارِ چوتھی صفت ان کی یہ بیان فرمائی گئی کہ وَالْمُنْفِقِيْنَ انفاق کا مضمون یہاں اس لیے بیان فرمایا گیا کہ خدا تعالیٰ نے توبہ کے ساتھ خدا تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے کے مضمون کو باندھا ہے یعنی وہ لوگ جو توبہ کرتے ہیں اگر وہ خدا کی راہ میں خرچ کریں تو اس سے ان کی توبہ کو تقویت ملے گی۔ اس پہلو سے اس مضمون میں ایک نئی شان پیدا ہو جاتی ہے اور نئی وسعت پیدا ہو جاتی ہے۔ آپ کو اگر اپنا احساس ہے جوں جوں وہ احساس بڑھے گا آپ کی توجہ استغفار کی طرف مائل ہوگی لیکن وہ لوگ جو اپنے لیے استغفار چاہتے ہیں اگر اپنے بھائی کی طرف ان کی نگاہ نہ ہو، اپنے بھائی کے لیے ان کے دل میں ہمدردی نہ ہو، اپنے بھائی کے لیے ان کے دل میں نیک جذبات نہ ہوں تو ان کے استغفار میں طاقت پیدا نہیں ہو سکتی۔ اس لیے ان کی ایک خاص خوبی بیان فرمائی گئی ان کا فیض عام ہوتا ہے اور محض خود غرضی کی وجہ سے وہ استغفار نہیں کرتے بلکہ ان کے احساس کے دائرہ میں بنی نوع انسان اور دیگر ذی شعور وجود داخل ہو جاتے ہیں۔ ہر وہ چیز جس میں حس ہے ان کے احساس کے ساتھ متعلق ہو جاتی ہے اور ان کے دکھ دور کرنے کے لیے خرچ کرتے ہیں۔ یہاں الْمُنْفِقِيْنَ سے مراد یہ ہے ان کی کمزوریاں دور کرنے کے لیے کوشش کرتے ہیں، ان کے دکھ دور کرنے کی کوشش کرتے ہیں، ان کے دکھ بانٹتے ہیں۔

غریب کا دکھ بانٹنے کا یہ مطلب تو نہیں ہے کہ آپ غریب کے لیے صرف دکھ محسوس کریں۔ غریب کا دکھ بانٹنے کا مطلب یہ ہے کہ اس کی خاطر کچھ آپ بھی غریب بنیں۔ جو خدا نے آپ کو عطا فرمایا ہے اس میں سے کچھ اس کو دیں اور اس طرح دکھ بانٹا کرتے ہیں۔ لفظوں میں نہیں دکھ بانٹا کرتے وہ ساری شاعری ہے یا افسانہ طرازی ہے کہ جی میں تمہارا دکھ بانٹنا چاہتا ہوں یا میں دکھ بانٹ نہیں سکتا۔ یہ سب قصے ہیں۔ قرآن کریم جو حقیقت کی کتاب ہے جو سچائیوں کی کتاب ہے اس نے اس مضمون کو کھول دیا ہے کہ دکھ بانٹے جا سکتے ہیں۔ اپنے بھائی کی خاطر جب آپ تکلیف اُٹھاتے ہیں، جب اس کے دُکھ کو دور کرنے کے لیے جب اپنا وقت خرچ کرتے ہیں جب اُس کی کمزوریوں کو دور کرنے کے لیے اُس پر محنت کرتے ہیں اس لحاظ سے الْمُنْفِقِيْنَ کا لفظ بہت وسعت اختیار کر جاتا ہے۔ ایک ایسی خاتون جو بچوں کو قرآن کریم پڑھا رہی ہے ان کی کمزوری دور کرنے کے لیے وہ بھی الْمُنْفِقِيْنَ میں داخل ہو جاتی ہے، ایک ایسا شخص جو ہمیشہ غرباء کی خبر گیری میں رہتا ہے وہ

بھی الْمُنْفِقِیْنَ میں داخل ہو جاتا ہے،ایک ایسا شخص جو بیماروں کی تیمارداری کرتا ہے وہ بھی الْمُنْفِقِیْنَ میں داخل ہو جاتا ہے،ایک ایسا ڈاکٹر جو محض فیس کی خاطر نہیں بلکہ ایک تکلیف دور کرنے کی خاطر کسی کی مرض پر محنت کرتا ہے اور اُس کے لیے شفاء حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے یعنی اپنے رب سے شفا حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ایسا ڈاکٹر بھی الْمُنْفِقِیْنَ میں داخل ہو جاتا ہے غرضیکہ منفقین کا دائرہ بہت وسیع ہے اور جتنا جتنا یہ دائرہ وسیع ہوگا اتنا اتنا استغفار کے اندر قوت پیدا ہوتی چلی جائے گی۔ یہ وہ باتیں ہیں جنہوں نے حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ کی استغفار کو ہر دوسرے انسان کی استغفار سے ایک الگ روح اور ایک الگ وجود بخش دیا اور ایک بالکل نیا مضمون پیدا کر دیا آپ کے استغفار میں کیونکہ آپؐ سے بڑھ کر صبر کرنے والا کوئی نہیں تھا، نہ تھا، نہ ہے اور نہ ہوگا۔آپؐ سے بڑھ کر صادق کوئی نہیں تھا، نہ تھا، نہ ہے، نہ ہوگا۔آپؐ سے بڑھ کر قانت کوئی نہیں تھا، نہ تھا، نہ ہے، نہ ہوگا اور آپؐ سے بڑھ کر منفق کوئی نہیں تھا، نہ تھا، نہ ہے اور، نہ ہوگا۔اس پہلو سے ہر اس صفت میں آپؐ نے درجہ کمال حاصل کر لیا جو یہاں بیان ہوئی اور وَالْمُسْتَغْفِرِيْنَ بِالْاَسْحَارِ کا مضمون بھی سب سے زیادہ شان کے ساتھ آپؐ کے وجود پر صادق آیا اس لیے آپؐ کے استغفار میں سب دنیا کے لیے استغفار شامل ہوگئی۔قرآن کریم سے پتا چلتا ہے کہ جس طرح خدا کے فرشتے مامور ہیں اس کے کمزور بندوں کے لیے استغفار کرنے پر اسی طرح حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ بھی مامور تھے کہ خدا کے کمزور بندوں کے لیے استغفار کریں اور جو کفارہ کا حقیقی اور سچا مضمون ہے وہ یہی ہے باقی سب قصے ہیں۔مسیحیت کا جو کفارہ کا تصور ہے بالکل بے معنی ہے یہی کفارہ ہے اصل میں کہ انسان جو ان صفات کا مالک ہو جائے اور پھر دوسروں کے لیے اپنی روح کو اپنے وجود کو وقف کر دے اور اُن کا دکھ اپنائے ان معنوں میں کہ جہاں تک توفیق ہو وہ دکھ دور کرنے کی کوشش کرے اور جہاں تک وہ دکھ اُٹھا کر دور کیا جا سکتا ہے دکھ اٹھا کر دور کیا جائے۔آپؐ تکلیف میں مبتلا ہو کر بھی ایک دوسرے کی تکلیف دور کرنے کی کوشش کی جائے۔یہ وہ سارے مضامین ہیں جو حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ کی ذات میں اپنے درجہ کمال کو پہنچ گئے۔اس پہلو سے آپؐ کو تمام بنی نوع انسان کے لیے استغفار پر مامور فرمایا گیا اور خصوصیت سے مومن بندوں کے لیے اور خصوصیت سے ان کے لیے جو ان صفات میں آپ کے قریب ہونے کی کوشش کرتے ہیں۔

اس مضمون کو اگر آپ سمجھیں تو استغفار کا وہ مضمون جو حضور اکرم ﷺ کے ساتھ خاص تعلق رکھتا ہے وہی سمجھ نہیں آتا بلکہ شفاعت کا مضمون بھی سمجھ آجاتا ہے۔ جب ان صفات میں سے مومن حضور اکرم ﷺ کے ساتھ ملنا شروع ہوتا ہے، جب ان چاروں صفات میں وہ جوڑ قائم کر لیتا ہے اور پھر وَالْمُسْتَغْفِرِيْنَ بِالْاَسْحَارِ میں بھی شامل ہو جاتا ہے تو وہاں سے شفاعت کا ایک امکان روشن ہونا شروع ہو جاتا ہے اور آنحضرت ﷺ کی شفاعت میں شامل ہونے کا ایک استحقاق پیدا ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ ان صفات میں کوئی خدا کا بندہ کس حد تک حضور اکرم ﷺ کے ساتھ پیوند اختیار کر گیا ہے اور کس حد تک وہ پیوند حقیقی ہے اور دائمی ہے۔ پس یہ نہیں کہا جا سکتا کہ ہم چونکہ ان سب امور میں کوشش کر رہے ہیں اس لیے ہم شفاعت حضرت محمد مصطفی ﷺ کے مستحق ہو گئے ہیں۔ استحقاق کا فیصلہ خدا ہی کرے گا مگر رستہ خدا نے بتا دیا ہے کہ اگر آپ یہ رستہ اختیار کریں گے تو آپ استغفار کے مستحق بھی ہوں گے اور استغفار کے بعد پھر شفاعت کا مضمون بھی جاری ہو سکتا ہے۔

اس پہلو سے اگر ہم دیکھیں تو رمضان کو ایک خاص تعلق استغفار سے ہے اور اسی لیے آج میں نے استغفار کا مضمون چنا ہے۔ اگر چہ اس سے پہلے ربوہ میں بھی چند سال پہلے استغفار کے مضمون پر اور توبہ کے مضمون پر دو تین خطبے دے چکا ہوں لیکن یہ مضمون اتنا وسیع ہے کہ اسوقت بھی مجھے تشنگی کا احساس تھا اور میں سمجھتا ہوں کہ اگر ہر رمضان میں بھی اس موضوع پر لب کشائی کی جائے تو تب بھی یہ مضمون ختم ہونے والا نہیں۔ بہت ہی اس کے پہلو ہیں اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تحریرات میں تو یہ مضمون اتنا گہرائی کے ساتھ اتنی وسعت کے ساتھ بیان ہوا ہے کہ بعض دفعہ ایک ایک فقرے میں ڈوب کر انسان مضامین کا ایک جہان پا جاتا ہے اور وہاں سے پھر اسی سیر میں اتنی باتیں ہاتھ جاتی ہیں اگر ان کا ذکر کیا جائے تو ایک خطبہ اس کے لیے مشکل سے کافی ہو گا۔ اس لیے اختصار سے تو بہرحال کام لینا پڑتا ہے لیکن بعض جگہ پھر کچھ تفصیل بھی بیان کرنی پڑتی ہے۔ تاہم مقصد میرا یہ ہے کہ آپ بھی استغفار کے مضمون پر غور کیا کریں اور یہ نہ سمجھیں کہ ایک خطبہ سن لیا تو آپ نے استغفار کے مضمون کو پا لیا یا دو خطبے سن لیے تو استغفار کا مضمون آپ کو سمجھ آ گیا۔ یہ مضمون ساری زندگی پر حاوی ہے اس کا تمام انسانی مفادات سے گہرا تعلق ہے اور یہ سابق سے بھی

تعلق رکھنے والا مضمون ہے اور مستقبل سے تعلق رکھنے والا بھی مضمون ہے۔ ہر قسم کے انسانی فوائد خواہ وہ روحانی ہوں خواہ وہ دنیاوی ہوں استغفار کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں اس لیے استغفار کا تفصیل سے سمجھنا نہایت ضروری ہے۔

رمضان شریف میں بِالْاَسْحَارِ چونکہ استغفار کا خاص موسم آجاتا ہے اس لیے رمضان میں تو خصوصیت سے اس موضوع پر غور ہوتے رہنا چاہئے۔ باوجود اس کے کہ اس آیات میں بالاصحار فرمایا گیا لیکن مراد یہ نہیں ہے کہ باقی وقت استغفار کے نہیں ہیں۔ اسی طرح جب میں کہتا ہوں کہ رمضان استغفار کا موسم ہے تو یہ ہرگز مراد نہیں کہ باقی اوقات استغفار کے اوقات یا استغفار کے موسم نہیں ہیں۔ دیکھیں چیزیں ہر موسم میں اگتی رہتی ہیں اور ہر موسم میں مرتی بھی رہتی ہیں لیکن پھر بھی بہار کا بھی ایک موسم ہے اور خزاں کا بھی ایک موسم ہے۔ اس لیے گناہوں سے بخشش حاصل کرنے کے لیے اگر کسی مہینے کو موسم قرار دیا جاسکتا ہے تو وہ رمضان ہی کا مہینہ ہے۔

میں نے آپ سے یہ گزارش کی تھی کہ الصّٰدِقِيْنَ کا جو لفظ ہے وہ بہت اہمیت رکھتا ہے باقی سب الفاظ بھی بہت اہمیت رکھتے ہیں لیکن الصّٰدِقِيْنَ کے مضمون کے متعلق میں کچھ مزید بیان کروں گا۔ جہاں تک میں نے غور کیا ہے بہت سے استغفار غیر حقیقی ہو جاتے ہیں اور بے اثر اور بے نتیجہ ثابت ہوتے ہیں اگر صداقت کا معیار بلند نہ ہو اور صداقت کے معیار کے ساتھ ایک روشنی کا مضمون بھی ہے اور وَالْمُسْتَغْفِرِيْنَ بِالْاَسْحَارِ میں اس روشنی کی طرف بھی اشارہ فرمایا گیا ہے جس کا صداقت کے ساتھ تعلق ہے۔ امر واقعہ یہ ہے کہ صداقت اور شعور یہ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ گہرا رابطہ رکھتے ہیں اور شعور کے لیے بھی نئی نئی صبحیں آتی رہتی ہیں اور بسا اوقات انسان یہ سمجھتا ہے کہ میں باشعور ہوں لیکن حقیقت میں وہ باشعور نہیں ہوتا بلکہ اچانک اس کی آنکھ کھلتی ہے تو وہ سمجھتا ہے کہ ایک اور شعور میں میں داخل ہو گیا اس کے مقابل پر جو پہلا شعور تھا وہ نیند کی حالت تھی۔ اس طرح وَالْمُسْتَغْفِرِيْنَ بِالْاَسْحَارِ کا یہ مطلب بنتا ہے کہ وہ صداقت شعار لوگ جو اپنے حالات پر اپنے گناہوں کے بارے میں اپنی کمزوریوں کے متعلق غور کرتے رہتے ہیں ان کے غور کا ماحصل ایک مقام پر نہیں کھڑا رہتا جوں جوں ان کا شعور بیدار ہوتا رہتا ہے، جوں جوں خدا تعالیٰ ان کو لطافتوں کی نئی صبحیں عطا فرماتا رہتا ہے۔ ہر وہ نئی صبح ان کے لیے استغفار کی طرف متوجہ کرنے والی

ہوتی ہے کیونکہ ان کو اپنی بعض اور چیزوں کا احساس پیدا ہو جاتا ہے اپنی بعض اور کمزوریوں کا احساس پیدا ہو جاتا ہے۔تو یہ وہ صبحیں ہیں جو خصوصیت کے ساتھ یہاں مراد ہیں۔اس پہلو سے آپ جب ایک عام انسان کے حالات کا جائزہ لیں تو جیسا کہ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ایک اقتباس میں بھی یہ مضمون بیان ہوا ہے جس سے میں نے یہ اخذ کیا ہے۔آپ کو معلوم ہوگا کہ بہت سے لوگ ایسے ہیں جو گناہ کرتے بھی ہیں تو احساس نہیں ہوتا اوران کا شعور اس حد تک مر چکا ہوتا ہے یا غفلت کی حالت میں ہوتا ہے کہ گناہ کرتے کرتے بھی ان کو اس کا احساس نہیں ہوتا۔چنانچہ ایک موقع پہ قرآن کریم فرماتا ہے فِیْ جَنْۢبِ اللّٰہِ (الزمر:۵۷) کہ اللہ کے پہلو میں گناہ کر رہے ہیں لوگ اور ان کو کوئی خیال نہیں۔چنانچہ سب سے پہلے جو صبح طلوع ہوتی ہے ایک استغفار کرنے والے پر وہ اس کی ابتدائی حالت بالکل یعنی اس کو کہنا چاہئے۔Crude حالت ہے یعنی بعد کی حالتوں کے مقابل پر کثیف ہے اور لطافت کا وہ مقام نہیں رکھتی وہ تو گناہ کا احساس ہے جو عام گناہ ہیں عرف عام میں۔وہ گناہ جس کو ہم گناہ کبائر کہہ سکتے ہیں یا دوسرے بڑے بڑے گناہ بداخلاقیاں وغیرہ ایسی جو غیر مذہبی دنیا میں بھی گناہ یا کمزوریاں کہلاتے ہیں ان کا احساس پیدا ہونا یہ پہلی صبح ہے جو انسان کو نصیب ہوتو وہ استغفار کی طرف مائل ہوتا ہے اس کے بعد ان صبحوں کی پھر کوئی حد نہیں رہتی اور انسان جوں جوں اپنے نفس میں ڈوبتا چلا جاتا ہے اپنے حالات کا جائزہ لیتا چلا جاتا ہے اس کو ہمیشہ اپنی بعض اور کمزوریاں دکھائی دینے لگتی ہیں جو اس کو پہلے نظر نہیں آیا کرتی تھیں بڑے بڑے بااخلاق لوگ ہیں جو بہت سی اخلاقی قدروں سے عاری بھی ہوتے ہیں اور جب دوسرے لوگ ان کو دیکھتے ہیں تو کہتے ہیں کہ دیکھیں یہ کیسا منافق آدمی ہے بااخلاق ہے اُدھر سے بااخلاق ہے اور اِدھر سے یہ حالت ہے۔ چنانچہ وہ ان کے اخلاق کے دیگر دائروں کو بھی شک کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور اس مضمون کو نہیں سمجھتے کہ بیداری کی حالت ضروری نہیں کہ ہر جگہ ایک جیسی ہو۔بعض پہلوؤں سے زندگی کے بعض شعبوں میں انسان بیدار ہو جاتا ہے بعض دوسرے شعبوں میں سویا رہتا ہے اور بیدار ہی نہیں ہوتا۔چنانچہ بعض دفعہ بعض خواتین اپنے خاوندوں کے شکوے کرتی ہیں وہ لکھتی ہیں کہ بڑا وہ نیک بنا پھرتا ہے بڑا بااخلاق سمجھا جاتا ہے باہر اُس کا یہ حال ہے باہر اپنے دوستوں میں فدا اور قربانیاں کرنے والا اور اِدھر یہ حال ہے کہ بیوی کا گلا کاٹتا، بچوں پہ ظلم کرتا اور خشونت سے پیش آتا یہ تو منافق انسان ہے بعض ایسے

آدمیوں کا ذکر وہ کرتی ہیں جن کو میں ذاتی طور پہ جانتا ہوں اور جہاں تک خدا تعالیٰ نے مجھے فہم عطا فرمایا ہے میں جانتا ہوں کہ وہ منافق اور جھوٹے بہر حال نہیں۔ اُس وقت مجھے سمجھ آتی ہے کہ اُن بیچاروں کی بیداری کی حالت جزوی ہے۔ بعض پہلوؤں سے بیدار ہو گئے ہیں اور اُن کو خلق نصیب ہو گیا ہے اور بعض پہلوؤں سے وہ سوئے ہوئے ہیں ابھی تک اور کسی دن اچانک وہ جاگ سکتے ہیں اگر دعا کی جائے اور اُن کو نصیحت کی جائے تو ہو سکتا ہے وہ اچانک جاگ اُٹھیں۔ تو اس پہلو سے قارعہ ہم سب کے لیے ضروری ہے صرف خدا کے دشمنوں کے لیے نہیں بلکہ ہر انسان کے لیے ضروری ہے اَلَمۡ یَاۡنِ لِلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا (الحدید:۱۷) تو جو قرآن کریم میں بیان ہوا ہے کہ کیا یہ لوگوں کے لیے وقت نہیں آیا کہ وہ اپنے گناہوں کے لیے بیدار ہو جائیں اور وہ محسوس کریں کہ وہ کیا کر رہیں ہیں کس حالت میں ہیں اور خدا تعالیٰ سے سچی توبہ کریں۔ یہ وہ مضمون ہے جو بعض دفعہ قارعہ کی طرح لوگوں کے دل پہ ابھرتا ہے اور اُن کو بیدار کر دیتا ہے۔ قارعہ سے مراد ہی یہی ہے وہ ایسی آواز جو دل ہلا دینے والی ہو جو خواب غفلت سے جگا دینے والی ہو، دروازے کھٹکھٹانے والی ہو۔ بعضوں کی نیند کچی ہوتی ہے بعضوں کی پکی ہوتی ہے اور مختلف قسم کی قارعہ اُن کو چاہئیں بعض قارعہ دُکھوں کی صورت میں نازل ہوتی ہیں اور مصائب کی صورت میں نازل ہوتی ہیں اس لیے اُس وقت بھی ایک موسم آتا ہے استغفار کا اور خصوصیت کے ساتھ اُس وقت استغفار کی طرف توجہ پیدا ہوتی ہے۔ تو اصل بات یہ ہے کہ مومن کو ایسی صبحوں کی تلاش میں رہنا چاہئے اور اپنے نفس کے محاسبے کا معیار بلند کرتے رہنا چاہئے۔

اس کا ایک تعلق ایک اور صبح سے بھی ہے جو لطافت طبع کی صبح کہلا سکتی ہے۔ جتنا کسی شخص کی صداقت کا معیار بلند ہو اور اُس کی لطافت طبع کی صبح زیادہ روشن ہو اُس حد تک وہ اپنے گناہوں کا جائزہ لینے کی زیادہ اہلیت رکھتا چلا جاتا ہے۔ چنانچہ عام انسان کے گناہوں کے تصور اور ایک عارف باللہ، ایک ولی کے گناہوں کے تصور اور ایک نبی کے گناہوں کے تصور میں اسی صبح کی روشنی کے تصور میں فرق پیدا ہوتا ہے۔ آپ بجلی کی روشنی جب رات کو دیکھتے ہیں تو آپ سمجھتے ہیں کہ اتنی روشنی ہو گئی ہے کہ اس میں ہر چیز نظر آ جائیگی لیکن جب سورج کے وقت اُس روشنی کو دیکھیں تو وہ روشنی اندھیری نظر آتی ہے اُس میں کوئی نور نہیں آتی۔ اسی طرح بعض دفعہ آپ چاندنی میں سمجھتے ہیں کہ ایسی روشنی ہے کہ ہر چیز کھلی صاف دکھائی دے رہی ہے اور جب آپ کوئی چیز تلاش کرنے لگیں تو اس وقت پتا چلتا

ہے کہ اِس چاندنی میں تو اتنا نور نہیں ہے۔اسی طرح صبح کی پہلی روشنی میں فرق ہے سورج نصف النہار کو پہنچ جائے اُس وقت فرق پڑ جاتا ہے یہ تو ہماری حدود ہیں جو مادی لحاظ سے ہیں۔روحانی لحاظ سے یہ مضمون اس سے بہت زیادہ منازل رکھتا ہے بلکہ لامتناہی کہنا چاہئے کیونکہ جس سورج سے ہم روشنی پاتے ہیں وہ خدا کا نور ہے اور اُس کی کوئی انتہا نہیں۔اس لیے وہ عالی ظرف لوگ یا وہ عارف با للہ بزرگ اولیاء ہوں یا انبیاء ہوں اُن کے اندر درجہ بدرجہ احساس گناہ کا شعور اس صبح سے نصیب ہوتا ہے اور یہ صبحیں اُن کو بھی مزید ملتی چلی جاتی ہیں اس کے لیے بھی اُن کا کوئی دائمی مقام نہیں ہے اور جتنی وہ صبح روشن ہو جائے اُتنا اُن کو وہاں گناہ دکھائی دیتا ہے جہاں عام انسان کو دکھائی ہی نہیں دے سکتا۔آپ حیران ہو کے دیکھتے ہیں کہ یہ اتنے بزرگ لوگ اور استغفار استغفار سارا دن صبح شام ہر وقت استغفار کرتے رہتے ہیں پتا نہیں کیا ہو گیا ہے ان کو گناہ کون سا انہوں نے کیا ہے اور جب وہ زبان اپنے متعلق استعمال کرتے ہیں تو جس طرح حضرت داوؑد نے زبور میں کی یا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے کلام میں کی تو جاہل آدمی تو بعض دفعہ نفرت کی نگاہ ڈالنے لگتا ہے اچھا یہ مامور من اللہ بنا پھرتا ہے، یہ خدا کی طرف سے ہمیں نصیحت کرنے آیا ہے اور اپنا اعتراف یہ ہے کہ:

کرم خاکی ہوں میرے پیارے نہ آدم زاد ہوں
ہوں بشر کی جائے نفرت اور انسانوں کی عار (درثمین صفحہ:۱۲۵)

پھر یہ غلیظ دنیا کہ کیڑے ٹھٹھا کرتے ہیں ان بزرگوں پر جن کی صبح کا تصور بھی ان کے ذہن میں نہیں کبھی آ سکتا۔اندھیروں کی مخلوق ہوتے ہوئے یہ روشنی کی مخلوق پر ہنستے ہیں اور مذاق اُڑاتے ہیں کہ دیکھو ان کو وہ چیز نظر آ رہی ہے اپنی۔وہ سمجھتے ہیں کہ جس گند میں ہیں اس نسبت سے بات کر رہے ہیں اور پھر ساتھ اس گناہ کو دیکھنے کے باوجود کہتے ہیں ہم مصلح ہیں ہم لوگوں کی اصلاح کی خاطر بھیجے گئے ہیں۔پھر وہ داوؑد سے ٹھٹھا کریں یا اس زمانے کے امام سے حضرت امام مہدیؑ سے ٹھٹھا کریں جو بھی صورت ہو جہالت یہ ہے کہ وہ رات کے رہنے والے ہیں اور صبح سے ناواقف ہیں اس لیے جب یہ فرمایا وَالْمُسْتَغْفِرِيْنَ بِالْأَسْحَارِ تو یہ مضمون اس میں باندھا گیا ہے کہ اُن کو خدا نئی نئی صبحیں عطا کرتا چلا جاتا ہے اور ہر صبح ان کی کمزوریاں ان پر کو روشن کرتی چلی جاتی ہیں اور جتنا زیادہ صبح کے بندے ہوں گے جتنا زیادہ خدا کے نور میں چلنے والے ہوں گے اتنا زیادہ ان کو استغفار کی

طرف بھی توجہ ہوگی اور ان کے استغفار میں لطافتیں ہوں گی۔ ایسے باریک مضمون داخل ہو جائیں گے جس کا وہم و گمان بھی کوئی دوسرا نہیں کر سکتا۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق جو یہ تین جھوٹ والی حدیث بیان کی جاتی ہے یا تو یہ حدیث ہی غلط ہے کیونکہ خدا کے نبی تو جھوٹ نہیں بولا کرتے یا پھر انہی معنوں میں وہ حدیث سچی ہے کہ تم لوگ جس چیز کو کامل سچائی سمجھتے ہو بعض انبیاء اتنا روشن ضمیر رکھتے ہیں کہ ان کے اندر بھی بعض ایسے پہلو پائے جاتے ہیں کہ اُن کے معیار کے مطابق وہ سچائی نہیں ہو سکتی سچائی نہیں کہلاتی اور یہ جو مضمون ہے یہ جب آگے بڑھ جاتا ہے تو ایسے لوگ جو بہت ہی باریک نظر سے اپنے بعض بیانات کو دیکھتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ شاید یہ سچ کے معیار پر پورا نہ اُترا ہو وہ لوگ خدا کی نظر میں صدیق کہلا رہے ہوتے ہیں۔ چنانچہ وہی ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام جن کے متعلق حدیث سے پتا چلتا ہے کہ تین مواقع پر گویا انہوں نے جھوٹ بولے وہاں لفظ گویا کو داخل کرنا ضروری ہے اُسی ابراہیمؑ کے متعلق قرآن کریم گواہی دیتا ہے کہ صدیق نبی تھا۔

پس یہ جو اعتراف حقیقت ہے اس کا تعلق صداقت سے بھی ہے اور اسحار سے بھی ہے اس لیے اس رمضان میں یہ کوشش کرنی چاہئے کہ صداقت نصیب ہو بعض لوگوں کو صداقت صرف یہ دکھائی دیتی ہے کہ دوسرے کی کمزوریوں پہ نظر رکھیں اور چونکہ عالم الغیب نہیں ہیں وہ بعض دفعہ جہاں کمزوریاں دیکھ رہے ہوتے ہیں وہاں کمزوری نہیں ہوتی بلکہ کوئی اور وجہ ہوتی ہے اور یہ نہیں سمجھتے کہ وہ شخص جو اپنی کمزوری نہیں دیکھ سکتا اس کو یہ توفیق کیسے ہو سکتی ہے کہ وہ کسی دوسرے کی کمزوری دیکھ سکتے۔ اس لیے روشن ضمیری ضروری ہے گناہوں کے اعتراف کے لیے اور دوسرے کی کمزوریاں نہیں دکھائی دے سکتیں حقیقی معنوں میں اور سچے معنوں میں جب تک انسان اپنی کمزوریاں دیکھنے کا اہل ثابت نہ ہو۔ پس اپنے وجود کی طرف توجہ کریں بجائے اس کے کہ دوسرے کے وجود کی طرف توجہ کریں اور رمضان مبارک میں یہ اندرونی روشنی حاصل کرنے کی کوشش کریں جس کے نتیجے میں آپ کو خدا تعالیٰ نئی صبحیں عطا فرماتا چلا جائے گا۔

اب میں آپ کے سامنے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعض اقتباسات اور بعض واقعات کی روشنی میں اس مضمون پہ کچھ اور روشنی ڈالتا ہوں۔ یہ قرآن کریم کے جتنی صفحیں سے میں آپ کو دکھا رہا ہوں یہ سب قرآن کریم کی وہ آیات ہیں جو اس مضمون کے مختلف پہلوؤں پر روشنی

ڈالنے کے لیے میں نے اکٹھی کی تھیں لیکن ایک ہی آیت میں اتنا وقت گزر چکا ہے کہ میرا خیال ہے کہ اب پھر کبھی آئندہ وقت کے لیے اُٹھا رکھتے ہیں انشاء اللہ۔ ہوسکتا ہے کہ اگلا خطبہ بھی اسی مضمون پہ دیا جائے کیونکہ رمضان کا موسم خصوصیت سے استغفار سے تعلق رکھتا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:

’’کوئی چور یا خونی چوری یا خون کرتا ہے تو خدا اس کے دل میں اسی وقت ڈال دیتا ہے کہ تو نے یہ کام بُرا کیا اچھا نہیں کیا لیکن وہ ایسے القا کی کچھ پرواہ نہیں رکھتا کیونکہ اُس کا نور قلب نہایت ضعیف ہوتا ہے‘‘

یہ جو لفظ نور قلب ہے اس کی بنیاد الْمُسْتَغْفِرِیْنَ بِالْاَسْحَارِ میں ہے وہ صبحیں جس کا میں نے ذکر کیا ہے یہاں اُسی نور قلب کی بات ہورہی ہے، اُسی صبح کی بات ہورہی ہے بعضوں کا نور قلب یعنی بعضوں کی صبحیں اتنی دھندلائی جاتی ہیں کہ جسے کہتے ہیں کہ صبح کاذب ہے ان کی، اتنی معمولی روشنی ہوتی ہے کہ ان کو اپنے موٹے موٹے گناہ بھی دکھائی نہیں دیتے حالانکہ خدا تعالیٰ کی آواز بتا بھی رہی ہوتی ہے۔ یہاں آواز اور نور کا جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تقابل فرمایا ہے یہ بہت دلچسپ ہے۔ جتنا انسان نور قلب سے محروم ہوتا چلا جائے اتنا وہ دوسرے کی ہدایت کا محتاج ہوتا چلا جاتا ہے آواز کے ذریعہ۔ چنانچہ اندھے کے لیے آواز ہی روشنی کا کام دیتی ہے تو فرمایا ایسے لوگ ہیں جو دل کے اندھے ہیں اور اُن کو آواز بھی فائدہ نہیں دیتی کیونکہ وہ آواز تو سنتے ہیں خدا تعالیٰ کی کہ تم ٹھوکر کے مقام پہ جا رہے ہو یہاں گرو گے یا تکلیف پہنچے گی لیکن دل کے ایسے اندھے ہوتے ہیں اور ایسی خود پرستی اُن کے اندر داخل ہو جاتی ہے کہ وہ اُس آواز کی طرف متوجہ نہیں ہوتے اور خود سمجھنے کی صلاحیت نہیں رکھتے۔

’’اور عقل بھی ضعیف‘‘، یعنی ان کا نور قلب بھی ضعیف ہو جاتا ہے عقل بھی ضعیف ہوتی چلی جاتی ہے اور قوت بہیمیہ یعنی نفسانی قوت اور جو حیوانی قوت ہے وہ غالب اور نفس طالب ہوتا چلا جاتا ہے یہ قوت جتنی غالب ہو اُتنی نفس کی طلب بڑھتی چلی جاتی ہے۔ یہ چھوٹے چھوٹے فقرے ہیں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بلکہ بعض الفاظ ہیں اُن سب کا قرآن کریم اور احادیث کے مضامین سے بھی گہرا تعلق ہوتا ہے اور ہر ایک کی جڑیں یا قرآن میں ہیں یا سنت میں ہیں۔ اب طالب ہوتا چلا

جا تا ہے اس مضمون کو سمجھنے کے لیے قرآن کریم کی اُس آیت کو سمجھنا چاہئے جس میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جہنم کہے گی کہ هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ (ق:۳۱) جتنی گناہوں کی طلب بڑھے گی اُتنا ہی مزید کی خواہش بڑھتی چلی جاتی ہے اور عذاب میں بھی اُتنا ہی زیادہ انسان خود اپنے عذاب کو طلب کے ذریعے گویا بڑھاتا ہے تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ ’’اور قوت بہیمیہ غالب اور نفس طالب‘‘ ہو جاتا ہے آپ نے صرف لفظ طالب فرمایا:

’’سواس طور کی طبیعتیں بھی دنیا میں پائی جاتی ہیں جن کا وجود روزمرہ کے مشاہدات سے ثابت ہوتا ہے اُن کے نفس کا شورش اور اشتعال جو فطرتی ہے کم نہیں ہو سکتا کیونکہ جو خدا نے لگا دیا اُس کو کون دور کرے ہاں خدا نے اُن کا ایک علاج بھی رکھا ہے۔ وہ کیا ہے؟ **توبہ واستغفار اور ندامت** یعنی جبکہ بُرا فعل جو ان کے نفس کا تقاضا ہے ان سے صادر ہو یا حسب خاصہ فطرتی کوئی بُرا خیال دل میں آوے تو اگر وہ توبہ واستغفار سے اس کا تدارک چاہیں تو خدا اس گناہ کو معاف کر دیتا ہے۔ جب وہ بار بار ٹھوکر کھانے سے بار بار نادم اور تائب ہوں تو وہ ندامت اور توبہ اس آلودگی کو دھو ڈالتی ہے۔ یہی حقیقی کفارہ ہے جو اس فطرتی گناہ کا علاج ہے‘‘۔

جیسا کہ میں نے پہلے بیان کیا تھا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اسی مضمون کو کفارہ بیان فرما رہے ہیں کہ کفارہ کا باقی جو مضمون ہے وہ تو محض وہمہ ہے یہی ہے حقیقی کفارہ۔

’’اسی طرف اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے وَمَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا (النساء:۱۱۱) یعنی جس سے کوئی بدعملی ہو جائے یا اپنے نفس پر کسی نوع کا ظلم کرے اور پھر پشیمان ہو کر خدا سے معافی چاہے تو خدا کو غفور و رحیم پائے گا۔ اس لطیف اور پُر حکمت عبادت کا مطلب یہ ہے کہ جیسے لغزش اور گناہ نفوس ناقصہ کا خاصہ ہے جو اُن سے سرزد ہوتا ہے اس کے مقابل پر خدا کا ازلی اور ابدی خاصہ مغفرت اور رحم ہے اور اپنی ذات میں وہ غفور و رحیم ہے یعنی اُس کی مغفرت

سرسری اور اتفاقی نہیں بلکہ وہ اس کی ذات قدیم کی صفت قدیم ہے جس کو وہ دوست رکھتا ہے اور جوہر قابل پر اُس کا فیضان چاہتا ہے یعنی جب کبھی کوئی بشر بروقت صدور لغزش و گناہ بہ ندامت توبہ خدا کی طرف رجوع کرے تو وہ خدا کے نزدیک اس قابل ہو جاتا ہے کہ رحمت اور مغفرت کے ساتھ خدا اس کی طرف رجوع کرے اور یہ رجوع الٰہی بندۂ نادم اور تائب کی طرح ایک یا دو مرتبہ میں محدود نہیں بلکہ یہ خدائے تعالیٰ کی ذات میں خاصۂ دائمی ہے اور جب تک کوئی گناہ گار توبہ کی حالت میں اُس کی طرف رجوع کرتا ہے وہ خاصہ اس کا ضرور اس پر ظاہر ہوتا رہتا ہے پس خدا کا قانون قدرت یہ نہیں ہے کہ جو ٹھوکر کھانے والی طبیعتیں ہیں وہ ٹھوکر نہ کھاویں یا جو لوگ قوائے بہیمیہ یا غضبیہ کے مغلوب ہیں اُن کی فطرت بدل جاوے بلکہ اس کا قانون جو قدیم سے بندھا چلا آتا ہے یہی ہے کہ ناقص لوگ جو بمقتضائے اپنے ذاتی نقصان کے گناہ کریں وہ توبہ اور استغفار کر کے بخشیں جائیں''

(براہین احمدیہ، روحانی خزائن جلد نمبر ا صفحہ ۱۸۶۔۱۸۷ حاشیہ)

یہ مضمون چونکہ بعض پہلوؤں سے دقیق ہے اور مزید تفصیل چاہتا ہے اس لیے انشاء اللہ آئندہ خطبے میں اسی مضمون کو یہاں سے اُٹھاتے ہوئے اس سلسلے میں چند مزید باتیں آپ کے سامنے رکھوں گا۔ مقصد میرا یہ ہے کہ استغفار کے مضمون کو آپ اچھی طرح سمجھ جائیں کیونکہ جوں جوں آپ استغفار کے مضمون سے واقف ہوتے چلے جائیں گے آپ اُس سے استفادہ کے زیادہ اہل ہوتے چلے جائیں گے ورنہ خالی **استغفر اللہ** کہنے سے ویسے تو خدا مالک ہے بخش سکتا ہے جب چاہے جس طرح چاہے بخش دے لیکن ویسا استفادہ نہیں ہوسکتا جیسا کسی چیز کی حقیقت کو سمجھنے سے استفادہ ہوسکتا ہے۔ مشرق اور مغرب میں جو عظیم الشان ترقیات کا فرق ہے یہاں تک کے مشرق کے بعض ممالک کو Third World کہا جاتا ہے وہ یہی فرق ہے کہ یہاں مغرب کے لوگوں نے قانون قدرت کو سمجھنے کی کوشش کی اور خدا تعالیٰ کی مخلوقات کی کنہ کو دریافت کرنے کی جدوجہد کی اور ڈوبتے چلے گئے مضامین کے اندر اور اُن اجسام کی جو زندگی بھی نہیں رکھتے تھے اُن کی بھی عادات دریافت کرنے لگے

جو عادات پھر قوانین کی دریافت پر منتج ہوئیں اور اسی طرح یہ مضمون بڑھتا چلا گیا۔ لہذا بہت معمولی چھوٹی چھوٹی چیزیں ہیں جو جب انہوں نے دریافت کرلیں تو ان سے غیر معمولی استفادہ کیا۔ یہ جو آج کل کمپیوٹرز نکلے ہوئے ہیں یہ جو الیکٹرونکس کا مضمون چل رہا ہے ہماری دنیا کی اکثر چیزیں اب اس کمپیوٹرز کی اور الیکٹرونکس کی محتاج ہوگئی ہیں اس میں چھوٹی چھوٹی معلومات ہی ہیں کہ کوئی چیز کس طرح Behave کرتی ہے، کس طرح وہ ایک دوسرے کے ساتھ ردّعمل دکھاتی ہے ان چیزوں ان عادات کو سمجھنے کے نتیجے میں، ان خصلتوں کو سمجھنے کے نتیجے میں کتنی عظیم الشان ترقی ہوئی ہے۔

پس روحانی ترقیات کے لیے استغفار کے مضمون کو خصوصیت کے ساتھ سمجھنا بڑا ضروری ہے۔ اس مضمون پر اگر آپ کی گہری نظر ہو تو آپ کو اس سے استفادہ کے بہت سے نئے مواقع ہاتھ آجائیں گے جو پہلے نہیں تھے اور اس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ کے فضل سے جماعت کی روحانی حالت دن بدن پہلے سے زیادہ اور نمایاں ترقی کرتی چلی جائے گی۔ اس لیے انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ خطبے میں اس کے دوسرے حصے کو بیان کروں گا اللہ تعالیٰ اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔